# مثنوی سفر العشق: فکری مطالعہ

غزل یعقوب☆

ڈاکٹر غلام فریدہ☆☆

## Masnavi Safar-ul-Ishq: An intellectual study

Ghazal Yaqoob
Ghazal Yaqoob/Dr Ghulam Farida

**Abstract**

Mian Muhammad Baksh is a prominent Punjabi poet of the nineteenth century. He belongs to that era of Indo Pak history which was socially and morally declined.So, he took the mantle of social reform His poetry gives a strong message of Perseverance and Persistenceto the people ofdeclined society. The main sources of his poetry are spirituality and moral values. Masnavi "Safar al Ishq" is a masterpiece of his writings. In this masnavi he teaches about patience, trust and contentment that can give positive results for the betterment of society. He also described the different stages of Ishq e Haqeeqi.

**Key words:**
Mian Mohamman Bakksh, Decline, moral values, Masnavi safar-Al-Ishq, society.

**کلیدی الفاظ:**

میاں محمد بکش، زوال، اخلاقی اقدار، مثنوی سفر العشق، معاشرہ

کسی بھی معاشرے کا اخلاقی نظام اس کے افراد کی اجتماعی فلاح و بہبود کا ضامن ہوتا ہے۔

☆ ٹیچنگ ریسرچ ایسوسی ایٹ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

☆ اسسٹنٹ پروفیسر بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

یہ اخلاقی نظام اور عبادات اس کے ماحول میں تربیت پاتی ہیں اس لیے ان کی بہتر نشوونما کے لیے ماحول کا متوازن ہونا بہت ضروری ہے، بہ صورت دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور انسان ذہنی، فکری، اخلاقی اور روحانی طور پر پستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مغل سلطنت کے زوال کے بعد یہاں کے سیاسی و سماجی حالات و واقعات پر نظر دوڑائی جائے تو معاشرہ ہر سطح پر پستی کا شکار نظر آتا ہے۔ اقدار مسلسل روبہ زوال تھیں، فرد اور معاشرہ دونوں عجیب نفسیاتی کشمکش میں گھر چکے تھے۔ اجتماعی سطح پر بگاڑ کی جس صورتحال نے جنم لیا اس سے نیکی و بدی کے تمام امتیازات مٹ کر رہ گئے۔ مفاد پرستی نے معاشرے کی کھوکھلی اقدار کو انہدام کے قریب تر کر دیا۔ ڈاکٹر عاصمہ غلام رسول اور عبدالرؤف کے مطابق "اخلاقیات کا وصف ہے کہ انسان اپنی خوشی اور ذاتی فائدے کو ایسے کاموں کے ساتھ جوڑے جس سے معاشرے میں بھلائی اور احساس کے جذبات کو فروغ ملے"(1) اور اگر انسان اخلاقی طور پر مضبوط نہ ہو تو یہ پستی محض فرد تک محدود نہیں رہتی بل کہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ایسی صورت میں اس تباہ حال معاشرے کو ایک ایسے روحانی پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اس دلدل سے نکالنے میں معاونت کرے۔ خالد پرویز ملک کے مطابق:

> "تلخ حقائق سے پہلو بچانے کے رجحانات بڑھنے لگے اور لوگ حقائق کا مقابلہ کرنے کی بجائے فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے۔ درویشی اور گوشہ نشینی فرار کا مقبول ترین راستہ تھا مگر یہ صرف فرار نہ تھا بلکہ درویشی اور فقر کا راستہ اختیار کرنے والے اخلاقی طور پر اپنے آپ کو بھی بلند کرتے ہیں اور عوام کی اخلاقی حالت کو بھی سنوارنے اور نکھارنے کے فرائض سرانجام دیتے ہیں"(2)

یہ روحانی پیشوا فرد کو مصائب میں صبر و استقامت کی ترغیب دیتے ہیں اور مسائل پر قابو پانے کے لیے عمل اور جدوجہد کی تلقین کرتے ہیں۔ جس سے فرد ذہنی و روحانی طور پر قوت اور توانائی حاصل کرتا ہے اور یہ قوت و توانائی اسے زندگی کو ایک واضح نصب العین کے تحت گزارنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔۔ برصغیر میں روحانیت کا یہ سلسلہ بابا فرید(1173ء-1266ء)(3) سے شروع ہوتا ہوا میاں محمد بخش(1830ء-1906ء)(4) تک پہنچتا ہے۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ میاں محمد بخش اس عظیم شعری روایت کی آخری کڑی ہیں جس کا آغاز بابا فرید سے ہوا۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ تعلیمات محمد بخش کے عہد تک محدود رہیں بل کہ ان کے بعد بھی پند و نصائح کی تعلیمات کا سلسلہ جاری رہا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ میاں محمد بخش کے عہد پر نظر دوڑائی جائے تو معاشرہ انتشار کا شکار تھا۔ انگریز ہندوستان قابض ہو چکے تھے اور سامراجی قوتیں غلبہ پا رہیں تھیں۔

انگریزوں نے اپنے تسلط کو مضبوط کرنے کے لیے یہاں کے مقامی لوگوں کے اذہان کو اپنی گرفت میں لینا چاہا اور ان کی تہذیب و ثقافت جو کسی بھی قوم کا کل اثاثہ اور پہچان ہوا کرتی ہے اسے ہدف تنقید بنایا انگریزوں کو یہ معلوم تھا کہ کسی بھی قوم کو طاقت کے بل بوتے پر طویل عرصے کے لیے محکوم نہیں بنایا جا سکتا اس لیے انھوں نے مقامی لوگوں کے ذہن میں ایک خاص قسم کے احساس کمتری کو جنم دیا۔ جس سے عوام انگریزی تہذیب سے رشک کی حد تک مرعوب ہوتے چلے گئے اور اپنی تہذیب کے اچھے اور تعمیری پہلوؤں کو بھلا بیٹھے۔ انگریزی تہذیب تمام جکڑ بندیوں سے آزاد ہے اس میں نہ مذہبی اقدار آڑے آتی ہیں نہ کوئی اور رکاوٹ چنانچہ اس کی اندھی تقلید سے مسلمان گمراہی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ اپنی زبان، طرز زندگی، طرز سیاست سب سے متنفر ہو گئے یہاں تک کہ مذہبی معاملات میں بھی کوتاہی برتنے لگے یوں وہ اخلاقی زوال کا شکار ہوئے۔ راشد متین میاں محمد بخش کے عہد کے سماجی سیاسی مسائل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "انھوں نے جس عہد میں آنکھ کھولی، وہ بڑا پر آشوب دور تھا۔ 1857 کی جنگ آزادی، انگریزوں کا کشمیر کو سکھ مہاراجہ کے حوالے کرنا، سکھوں کے پنجاب بھر میں مظالم انہی کے دور میں ہوئے "(5)

ان معاملات نے اس دور کے فرد کو بہت متاثر کیا ان کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے کے لیے میاں محمد بخش نے بہت سی کوششیں کیں۔ جن تصانیف میں انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں سی حرفی، باراں ماہ، سوہنی مہینوال، تحفہ میراں، قصہ شیخ صنعان، نیرنگ عشق، قصہ شاہ منصور، شیریں فرہاد، تحفہ رسولیہ، گلزار فقر، سخی خواص خان، مرزا صاحباں، قصہ سسی پنوں، ہدایت المسلمین، پنج گنج، تذکرہ مقیمی، ہیر رانجھا اور سفر العشق(6) وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن سلوک اور طریقت کی منازل کا براہ راست اظہار "سفر العشق" میں ملتا ہے اور میاں محمد بخش کی شہرت کا باعث بھی ان کی تصنیف سفر العشق ہے جو 1862 میں تصنیف ہوئی اور 9284 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا نام سفر العشق رکھنے کی توجیح وہ خود یوں فرماتے ہیں:

ناز نیاز سفر عشق دا ایس قصے وچ آیا
سفر العشق محمد بخشا ! نام دلیوں پایا(7)

سفر العشق کے ماخذات کے حوالے سے ڈاکٹر سعدیہ طاہر یوں رقمطراز ہیں:

> ""سیف الملوک" کی کہانی الف لیلہ اور ہزار داستان کی سی لوک داستانوں سے ماخوذ ہے۔ میاں محمد سے پہلے یہ داستان متعدد بار مختلف زبانوں اور زمینوں کے نامور شاعروں نے لکھی ہے۔ فارسی، اردو بنگالی، سندھی اور پنجابی میں یہ کئی

منظوم قصے کہانیوں میں جلوہ گر ہے۔ خود کشمیر میں سید علی ہمدانی نے اسے فارسی کے قالب میں ڈھالا تھا۔۔۔"(8)

موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بظاہر یہ حسن و عشق سے متعلقہ واردات کا اظہار ہے لیکن در پردہ اس میں عمل پیہم اور جہد مسلسل کی ترغیب دی گئی ہے یہ کہانی مجاز کے ذریعے حقیقت تک رسائی کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ سید ضمیر جعفری اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں:

"۔۔۔مثنوی میں اگرچہ ایک آدم زاد شہزادے (سیف الملوک) اور ایک خالص پری پیکر (بدیع جمال) کی داستان محبت بیان کی گئی ہے جس میں انسانوں اور دیوں کے درمیان محاربے بھی برپا ہوئے ہیں مگر صاحب دل فقر اور طریقت کے عارف مصنف کا اصل منشا اس حوالے سے مشاہدات فطری اور واردات قلبی کا اظہار تھا۔ان کا مقصود ظاہراً افزائش جمال اور باطنی پردہ فشانی ہے۔۔۔۔"(9)

مثنوی کے عنوان سفر العشق پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عشق کے سفر پر مشتمل کوئی داستان ہے بعد ازاں مندرجات کے مطالعے سے بھی یہی معلوم پڑتا ہے کہ یہ عشق کے سفر میں پیش آنے والے مراحل کا بیان ہے جو بظاہر تو مجازی معلوم ہوتا ہے لیکن در اصل یہ حقیقت کی طرف کا سفر ہے موضوعات کے حوالے سے ضمیر جعفری یوں لکھتے ہیں:

"ان کا موضوع زندگی کی نقش گری اور آگہی ہے چنانچہ انھیں جہاں موقع ملتا ہے وہ شہزادے شہزادی کو راستے میں چھوڑ کر تصوف و طریقت کے سمندر میں اتر جاتے ہیں، چاہت، اضطراب، تزکیہ قلب و ذہن، ابدی سچائیوں کا ادراک و اظہار، اختیار و ضبط نفس کے معارف نے اس شعری تخلیق کو لازوال منشورِ حکمت بنا دیا ہے"(10)

میاں محمد بخش نے اپنے عہد کے افراد بالخصوص مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کے لیے جو تعلیمات دیں ان کا ماخذ قرآنی تعلیمات ہیں۔ انھوں نے اسی سرچشمہ رشد و ہدایت کی تعلیمات کو بنیاد بنایا جو ہمیشہ سے بھٹکے ہوؤں کے لیے مشعل راہ تھا۔ میاں محمد بخش کو رومی کشمیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نسبت ان کے موضوعات کی بنیاد پر دی گئی ہے۔ رومی نے اپنے دور کے افراد کی اخلاقی تربیت کے لیے قرآنی تعلیمات کو بنیاد بنایا تھا اسی وجہ سے ان کی تصانیف کو قبول عام حاصل ہوا۔ میاں محمد بخش نے ان کے تتبع میں وہی روش اختیار کی اور شخصیت سازی کے لیے تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری ہوا۔ انکی تصانیف سے مسلم ادبی روایت کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے مثنوی کی صنف میں اپنے افکار پیش کیے جو خالصتاً مسلم ادبی روایت کا جز وہے۔ میاں محمد بخش کے عہد کی ادبی روایت پر نظر دوڑائی جائے تو

انگریزی اور ہندی دونوں روایات پختہ تھیں لیکن انھوں نے اپنے افکار کے اظہار کے لیے مثنوی کی صنف کا ہی چناؤ کیا۔ ان سے پہلے کے صوفیا نے بھی اپنے نظریات کی پیشکش اور رشد و ہدایت کے لیے مثنوی میں طبع آزمائی کی۔ چنانچہ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے میاں محمد بخش نے بھی تربیت کے لیے اسی صنف کو وسیلہ اظہار بنایا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے میاں صاحب نے لوگوں کی تربیت کے لیے قرآنی تعلیمات سے معاونت لی ہے اسی لے ان کے ہاں توحید، قناعت، تزکیہ، حیرت اور فقر جیسے موضوعات سے متعلق اشعار بھی ملتے ہیں۔ مثنوی کے آغاز میں اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف اور وحدت کے حوالے سے اشعار درج کیے گئے ہیں جس میں رب تعالیٰ کی تمام تر صفات کا تذکرہ ملتا ہے۔ حمد:

| | | |
|---|---|---|
| لطف کریندا کرم کنندہ ہر دے کام سنوارے | | سبھ خلقت دارا کھاوہو بھیت پچھانے سارے(11) |
| عیب میرے پر پلا دیندا ہنر کریندا ظاہر | | جدوں کرم دا واڑا کردا کوئی نہ رہندا باہر(12) |
| ہر ڈھٹھے نوں ہتھے دیندا بخشنہار خطائیاں | | دیتوس سخن زباناں اندر سخناں وچ صفائیاں(13) |

خدا اور اس کے رسول کی محبت اسلام کا ایک لازمی جز ہے۔ خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نبی کریم کو خاتم النبین تسلیم کر لینا ہی عقیدے کو مکمل کرتا ہے۔ میاں محمد بخش نے اپنی مثنوی میں نبی کریم کی توصیف میں کچھ اشعار پیش کیے جن میں ان کی صفات بیان کی گئی ہیں اور باقی انبیا پر ان کی فوقیت کے حوالے سے اشعار کہے ہیں۔ نعتیہ اشعار:

"لولاک لماخلقت الکوان" آیا شان انہاندے
جن،انسان غلام فرشتے دوئے جہان انہاندے(14)
صدر نشین دیوان حشر دا افسر وچ اماں
کل نبی محتاج انہاندے نفراں وانگ غلاماں(15)
اوہ محبوب حبیب ربانا حامی روش محشر دا
آپ یتیم یتیماں تائیں ہتھ سرے پر دھردا(16)

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو باوقار زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جس کے لیے عزت نفس، خودداری اور اخلاقی اقدار جیسے اوصاف کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں محنت اور جدوجہد کی خصوصیات کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ اگر وہ تمام صفات کا حامل ہو اور محنت کی لگن نہ رکھتا ہو تو محض عزت نفس سے زندگی کا بسران ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود پر اعتماد رکھتا ہو اور جدوجہد سے نہ کترائے۔ میاں محمد بخش نے اپنی مثنوی میں معاشرے کی اصلاح کے لیے جن نکات کا تذکرہ کیا ہے ان میں ایک نکتہ جہد مسلسل اور عمل پیہم کا

بھی ہے۔انھوں نے فرد کے لیے معاشرے میں اپنا مقام متعین کرنے کی ایک شرط محنت اور لگن کو ہی قرار دیا ہے۔اس کی مثال اس شعر سے ملتی ہے:

مردا ہمت ہار نہ مولے مت کوئی کہے نمردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا(17)

انھوں نے اس سمت بھی اشارہ کیا ہے کہ راستے میں اگر کوئی مشکل یا پریشانی آجائے تو اس سے گھبرا کر مقصد سے ہٹنا نہیں چاہیے بل کہ اپنے طور پر پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ان کے مطابق انسان جس مقصد کے لیے کمر باندھ لے دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے اس سے پیچھے نہیں ہٹا سکتی اگر اس کا ارادہ پختہ ،جہد مسلسل اس کا شیوہ اور عمل پیہم اس کا عقیدہ ہو۔

جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہک دن پھرسی پاسا
بھکھا منگن چڑھے محمدؐ اوڑک بھردا کاسا(18)

اگر راستے میں کسی شکست کا سامنا بھی کرنا پڑ جائے تو اس سے گھبرا کر مقصد کو چھوڑنا نہیں ہے بل کہ ثابت قدمی سے اس کا سامنا کرنا ہے تاکہ مقصد حاصل ہو جائے۔میاں محمد بخش نے زندگی کے معاملات کو ہمت ،بہادری اور استقامت کے ساتھ برتنے کی تلقین کی ہے۔انھوں تمام مراحل کو صبر سے برداشت کرتے ہوئے یہ تاکید بھی کی ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی آتی ہے اس لیے وقتی سختیوں سے گھبرانا نہیں ہے۔ان کی فکر کا ماخذ چونکہ قرآن ہے اس لیے ان کی مثنوی میں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں جو قرآنی تعلیمات کی عکاسی کرتے ہیں۔قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

ان مع العسر یسرا(19)

ترجمہ:بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

صبر کریں نامید نہ ہوویں ، لیسیس اجر جنابوں
مٹھے کم ہوون رحمانی ، بہتر کار شتابوں(20)
پئی دعا قبول حضوروں ، رحم ہویا سرکاری
عسروں یسر کرن تے آیا ، چلی مصیبت ساری(21)

مولانا روم کی مثنوی کو قرآن کی تفسیر کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میاں محمد بخش مولانا روم سے متاثر بھی تھے اسی لیے ان کے موضوعات مولانا کی مثنوی سے میل کھاتے ہیں اس کی عملی مثال مندرجہ بالا شعر (حوالہ نمبر 21) میں موجود ہے جو "ان مع العسر یسرا" کے مفہوم

کی مکمل عکاسی کر رہا ہے۔ دونوں مصنفین کی فکر کا سرچشمہ قرآن کریم ہے جس سے انھوں نے مسلم معاشرے کی تربیت واصلاح کا کام سرانجام دیا۔

میاں محمد بخش اپنے دور کے سماجی مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے اور ان کی وجوہات سے بھی بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے افراد کو اخلاقی طور پر برتری کی ترغیب دی اور فرد کو اجتماع کا نمائندہ قرار دیا۔ جہاں وہ فرد کو خودداری کی تلقین کرتے ہیں وہیں اسے عجز وانکساری سے پیش آنے کا درس بھی دیتے ہیں ان کے مطابق معاشرے میں اگر ہر فرد اپنی ذات کی نمائندگی شروع کر دے گا تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ فرد اپنی عزت نفس کو مجروح نہ ہونے دے اور عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرے۔ یہاں انھوں نے ایک اور نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ اگر انسان خود اچھا ہو تو اسے ساری دنیا اچھی دکھتی ہے یعنی انسان جیسا خود ہو گا دوسروں کو بھی اسی کے مطابق پرکھے گا۔ اور جیسا انسان خود ہوتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ پیش آتا ہے۔

دانشمندو سنو تمامی عرض فقیر کریندا
آپو چنگا کوئی ہووے ہر نوں بھلا تکیندا(22)

عاجزی اور انکساری انسان کو بہت سے مسائل سے بچائے رکھتی ہے۔ اس سے معاشرے میں امن قائم رہتا ہے اور بلاوجہ کے تضادات جنم نہیں لیتے۔ معاشرے میں امن کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ فرد باہم متحد ہوں جس کے لیے "میں" کو ختم کرنا نہایت اہم ہے۔ میاں محمد بخش نے مثنوی میں پڑھنے، لکھنے اور سننے والوں کے لیے بھی یہ نصیحت کی ہے کہ وہ پردہ پوشی اختیار کریں۔ مثنوی میں اس حوالے سے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں خود اپنے حوالے سے لکھا ہے کہ میں ادنیٰ سا آدمی ہوں اشعار کے حوالے سے جو تھوڑی بہت شدبد رکھتا ہوں اسی طرح لکھ دیتا ہوں۔ اور رب کا کرم ہے کہ لوگ اس سے حکمت کی باتیں سیکھتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| میرے نالوں ہر کوئی بہتر میئیں بیچ ایانا | | تھوڑا بوہتا شعر سخن دا گھاٹا واہدا جاناں(23) |
| نہ شیخی وڈیائی کوئی جھولی اڈی کجھ پاؤ | | جے کوئی سہو خطائی ہووے بخشو تے بخشاؤ(24) |

میاں محمد بخش نے نظریے کی ترسیل کے لیے سیف الملوک اور پری بدیع الجمال کی داستان عشق کو بنیاد بنایا ہے جس میں بعد ازاں یہ عشق مجاز سے حقیقت کی طرف مراجعت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں دنیاوی آسائشوں اور معاملات کی بجائے صوفی کے عشق اور اس سفر میں پیش آنے والے مراحل کا تذکرہ ملتا ہے۔ قصہ میں عاشق کو حصول منزل تک جن منازل (تزکیہ، استغنا، حیرت اور فقر) کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے، داستان میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

عشق کی پہلی منزل استغناء ہے یعنی انسان کو جس حال میں رکھا جائے وہ اس پر خوش رہے۔ اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی نعمتوں اور رحمتوں سے مایوس نہ ہو۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور قانع ہو جائے۔ اس طرح بندے کا اپنے رب کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر فکر سے آزاد ہو جاتا ہے اس فکر کا اظہار مثنوی سفر العشق میں یوں ملتا ہے۔

بے پرواہی منزل ناہیں، جس وچ سود سوداگر
بے نیازی دی چھکھ (انھیری) اگے ، دو جگ لکھ برابر(25)

میاں محمد بخش نے عشق کی وادی کی اگلی منزل توحید بتائی ہے جس سے مراد وحدت کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں دیکھا جائے تو اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ "اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اور کوئی اس کا ہمسر و ثانی نہیں" کو توحید کہا جائے گا لیکن یہاں اس سے مراد ایک ہونے کے ہیں۔ عشق کے مراحل میں میں ایک مرحلہ توحید کا آتا ہے جہاں من و تو کے تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں ،دوئی سے یک سوئی کی طرف مراجعت ہوتی ہے۔ جہاں عابد اور معبود ایک ہو جاتے ہیں اور پیری مریدی کی حد فاصل مٹ جاتی ہے۔

اگوں منزل آوے بھائی ، وچ وادی توحیدے
عابد تے معبود ملیندے ، دوئی نہ پیر مریدے(26)
جے کوئی غرق نہ ہویا بھائی وحدت دے دریا وے
کیہہ ہویا جے آدم دسدا لیک نہ مرد کہاوے(27)
نیکی بدی نہ تکدے سوئی جو وحدت وچ پوہتے
نیکی بدی تداہیں بھائی اسیں تسیں جد بوہتے(28)

میاں محمد بخش نے دیگر منازل کا ذکر کرتے ہوئے ایک منزل حیرت کا ذکر بھی کیا ہے ان کے مطابق ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ تمام پردے ہٹ جاتے ہیں، انسان غم خوشی، درد و افسوس اور اس طرح کے دیگر مسائل سے ماورا ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایسے مقام پر آن پہنچتا ہے جہاں زمانے کی تمام تکالیف رفع اور تمام قیود سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے حتّٰی کہ وہ خود سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ وہ تمام امتیازات سے آزاد ہو جاتا ہے اور فنا و بقا کے تصورات اس کے لیے معنی نہیں رکھتے۔ اور جب وہ اس منزل پر پہنچتا ہے تو اس سے راستہ بھی چھپ جاتا ہے اور وہ محض متحیر اپنی منزل کے لیے سرگرداں رہتا ہے۔

فر اگوں ہک منزل آوے ،حیرت والی وادی
درد افسوس ہوئے گم اتھے،ہرگز خوشی نہ شادی(29)
نہ میں مسلم نہ میں کافر خبر نئیں کس چالی
نالے ایہہ دل عشقوں بھریا نالے ہے مڑ خالی(30)
جاں پوہتا اس منزل اندر رستہ منزل چھپدا
رستہ منزل کس دا بھائی نالے ہے دل چھپدا(31)

میاں محمد بخش نے مثنوی میں ایک منزل فقر کا بیان بھی کیا ہے۔عام طور پر اس سے مراد تنگ دستی، غربت، مفلسی اور ناداری مراد لی جاتی ہے لیکن دینِ اسلام میں فقر سے وہ راہ یا وہ طریق مراد ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان سے تمام حجابات کو ہٹا کر بندے کو اللہ کے دیدار اور وصال سے فیض یاب کرتا ہے۔ فقر دراصل دینِ اسلام کی حقیقت ہے۔نبی کریم کے مطابق "الفقر و فخری "یعنی فقر میرا فخر ہے۔یہی طریق ہمارے دیگر اصحاب کا رہا ہے۔ابوزر غفاری کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ امیر معاویہ کے پاس دمشق گئے جہاں ان کی مدارت پر تکلف کھانوں اور اشیائے خوردونوش سے ہوئی۔اسے دیکھ کر وہ برہم ہوئے اور کہا کہ یہ میرا وہ دوست نہیں ہے جسے ملنے میں دمشق آیا تھا۔ان کے مطابق "فقر مجبوری نہیں اختیاری ہے "اگر کچھ نہ ہو تو سب ہی قناعت کر لیتے ہیں لیکن سب کچھ ہوتے ہوئے اس سے بچے رہنے کا نام فقر ہے۔اس کا اصل مقصد بے نیازی ہے یہ انسان میں تڑپ پیدا کرتا ہے اس لیے فقر کو کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے۔مثنوی کا بنیادی ماخذ دین اسلام ہے اور اس کا مقصد مسلمانان ہند کو ان کی گم گشتہ میراث سے متعارف کروانا تھا اس لیے اس میں اس طرح کے کئی اشعار ملتے ہیں جو مسلمانوں کی تربیت کر سکیں۔ فقر سے متعلق اشعار میں سے چند ذیل میں ہیں۔

وادی فقر فنا دے اندر ، اگلی منزل آئی
فقر فنا دے اندر چپ بہتر ، گل جاندی بائی(32)
ایس ندی وچ چبھی مارے جے کوئی ہمت کر کے
سدا سکھالا رہسی بھائی کیہ کم باہر تر کے(33)
جیوں ایہ حال احوال فقر دا غائب ساڈی نظروں
تیویں شرح زبانوں اوہلے نالے صفتوں خبروں(34)

میاں محمد نے مثنوی میں عشق کو خاص طور پر پیش کیا ہے اور ہ عشق محض مجازی نہیں ہے بل کہ اس کے مفاہیم پر غور کیا جائے تو جذبے اور مقصد کی ترجمانی کرتا ہے۔ان کے نزدیک عشق مسلسل

امتحان کا نام ہے اس لیے اس کے مراحل کو شوق سے طے کیا جا سکتا ہے اس سے گھبرا جانا سچے عاشق کا کام نہیں ہے۔ وہ اپنے عیش و آرام کو پیچھے چھوڑ کر مشکل کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

تاج تخت سلطانی تج کے ، ٹھوٹھا پھڑن گدائی
رکھ امید سجن دے در دی ، کٹن جو بن آئی(35)
کر کر یاد سجن نوں کھاندے، بھن بھن جگر نوالے
شربت وانگ پیا دے ہتھوں ، پیون زہر پیالے(36)
جے توں طالب عشق دا ، چھڈ واہماں وسواساں
ہمت دا لک بنھ محمد ، رکھ آساں پیا پاساں(37)

اسلام میں حقوق اللہ سے زیادہ اہمیت حقوق العباد کو دی گئی ہے اور ان میں بھی مختلف درجہ بندیوں کے ذریعے تمام رشتوں کے حقوق و فرائض متعین کیے گئے ہیں تاکہ ایک توازن قائم رہے۔ اسلام میں والدین کی اطاعت کو سب سے بنیادی حیثیت حاصل ہے اللہ نے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ اور والدین کی فرمانبردار اولاد کو مختلف بشارتیں سنائی ہیں۔ میاں محمد بخش کی مثنوی میں بھی اس حوالے سے اشعار ملتے ہیں جن میں والدین کی فضیلت کا بیان ہے۔

ماں منی تاں رب منایا، پہلا مرشد مائی شکر خدا دا جے توں راضی، نالے پت رہ آئی(38)
اے بابل توں قبلہ کعبہ ، دل تے جان میری دا دائم اسم شریف تساڈا، ورد زبان میری دا(39)

اسی طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کے علاوہ معاشرے کے دیگر طبقوں اور رشتوں کے حوالے سے بھی ہدایات دی گئیں ہیں جن میں میاں محمد بخش نے حکمرانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے اور اپنے فرائض بخوبی نبھانے کی تلقین کی ہے۔

بادشاہاں نوں پچھ ہووے گی، مظلوماں دے حالوں
کہی رب وڈیایا تینوں ، دے عزت اقبالوں(40)

میاں محمد بخش نے اس حقیقت کا اظہار بھی کیا ہے کہ انسان فانی ہے۔ زندگی ہمیشہ نہیں رہے گی ایک نہ ایک روز موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہو گا اس لیے اپنے معاملات کو درست سمت میں رکھو محض اس دنیا کی آسائشوں میں مت الجھو بلکہ اپنی زندگی کے اولین مقصد پر غور کرو تاکہ آخرت کے میدان میں سرخرو ہو سکو۔

ننگے پیریں گئے بے دیسیں ، خاک رلے سبھ مر کے
کہو کیہ مان محمد بخشا ، رہو نمانا ڈر کے(41)
ہک ہک کر کے لیندا جاندا ، جس دتیاں ایہہ چیزاں

رل بیٹھن دی گھڑی غنیمت ، بھوگ ، فراق ، عزیزاں(42)
جتنے پھل جگت پر سارے ، سوہے چتے پیلے
ہر ہر رنگوں دیہن نشانی،ہو ہو گئے رنگیلے(43)

مندرجہ بالا تمام بحث کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ میاں محمد بخش نے اپنے زمانے کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے افراد خاص کر مسلمانوں کی تربیت سازی کا فریضہ سر انجام دیا ہے۔ ان کے مطابق فرد اگر اخلاقی طور پر مضبوط ہو گا تو اس کے لیے زندگی کے دیگر معاملات نبھانا آسان ہو جائے گا اگر وہ اسی خامی کا شکار ہو گیا تو اپنا تشخص قائم نہیں رکھ پائے گا اور اگر فرد کمزور ہو تو ملت کا تصور ہی ممکن نہیں۔اس لیے انھوں نے ایک ایسے قصے کو تصنیف کیا جو بظاہر تو شہزادہ اور شہزادی کے معاملات عشق سے متعلق ہے لیکن اس میں موجود تمام بحثوں سے اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔مثنوی میں میاں محمد بخش نے واردات قلبی کے تمام مراحل کی عکاسی کی ہے اور حسن و عشق کے معاملات کا نقشہ بخوبی کھینچا ہے۔علاوہ ازیں زندگی کی بے ثباتی،،انسان کی بے بسی، عشق کے راستے میں آنے والی منزلیں(استغنا،وحدت، فقر)،وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرد کی ذمہ داریوں پر بھی زور دیا ہے تا کہ اس کی عدم توجہ سے معاملات بگڑنے نہ پائیں۔مثنوی کے قبول عام کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ تمام ادوار کے لوگوں کے لیے تربیت کا سامان پہنچاتی ہے اور اس سے افراد مستفید ہوتے ہیں۔

# حوالہ جات


(1) عاصمہ غلام رسول، ڈاکٹر، عبدالرؤف، "کلام بابا فرید میں اخلاقیات کے عناصر"، مشمولہ دریافت، شمارہ 2017، 18، ص132

(2) خالد پرویز ملک، پنجاب کے عظیم صوفی شعرا، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، 2001، ص111

(3) تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ: ابتدا سے 1857 تک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز 2009، ص29

(4) سیف الملوک، مرتب فقیر محمد فقیر، لاہور: الفیصل ناشران، 1999، ص38

(5) راشد متین، میاں محمد بخش مشمولہ پاکستان کے صوفی شعرا، پاکستان: اکادمی ادبیات۔ 1995، ص377

(6) شفیع عقیل مترجم، سیف الملوک از میاں محمد بخش، انجمن ترقی اردو، پاکستان ص21-25

(7) ایضاً، ص27

(8) سعدیہ طاہر، ڈاکٹر، سیف الملوک میں ماں بولی کا کردار، مشمولہ پیغام آشنا، شمارہ 2017، 18، ص91

(9) ضمیر جعفری، سید، من میلہ: میاں محمّد بخش کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ، اسلام آباد: لوک ورثہ، 1980، ص17

(10) ایضاً، ص18

(11) شفیع عقیل، ص37

(12) ایضاً، ص37

(13) ایضاً، ص36

(14) ایضاً، ص41

(15) ایضاً، ص40

(16) ایضاً، ص40

(17) ایضاً، ص72

(18) ایضاً، ص73

(19) الشرح، آیت نمبر5

(20) میاں محمد بخش،چونواں کلام:مثنوی سیف الملوک،ترتیب سعید احمد پروفیسر،راولپنڈی:عدنان بکس،2014،ص70

(21) ایضاً،ص70

(22) ایضاً،ص80

(23) ایضاً،ص81

(24) ایضاً،ص81

(25) سعید احمد،ص33

(26) شفیع عقیل،ص98

(27) ایضاً،ص98

(28) ایضاً،ص98

(29) ایضاً،ص101

(30) ایضاً،ص102

(31) ایضاً،ص102

(32) ایضاً،ص103

(33) ایضاً،ص104

(34) ایضاً،ص104

(35) ایضاً

(36) ایضاً

(37) ایضاً

(38) سعید احمد،ص74

(39) ایضاً،ص75

(40) ایضاً،ص75

(41) ایضاً،77

(42) ایضاً،ص83

(43) ایضاً،ص83